آرا وافکار

خورشید احمد ندیم

تہذیبی کشمکش کا نیا باب

۲۶ جون کو امریکہ کی سپریم کورٹ نے ایک تاریخ ساز فیصلہ دیا۔ عدالت نے شادی کے اس تصور کو یکسر بدل دیا، صدیوں سے انسان جس سے واقف تھا۔ عدالت کا کہنا ہے کہ اب دو مرد اور دو خواتین بھی ایسے ہی 'میاں بیوی' شمار ہوں گے، جیسے مرد اور عورت۔ اگر دو مرد یا دو خواتین ایک دوسرے سے ازواجی رشتہ قائم کرنا چاہیں تو قانوناً وہ اس کا حق رکھتے ہیں۔

یہ ایک غیر معمولی فیصلہ ہے جو صرف امریکہ پر نہیں، ساری دنیا پر اثر انداز ہوگا۔ اس کے نتیجے میں تہذیبوں کا وہ تصادم امر واقعہ بن سکتا ہے، پروفیسر ہنٹنگٹن نے ۱۹۹۳ء میں جس کی پیش گوئی کی تھی۔ تاہم یہ تصادم دو جغرافیائی وحدتوں کے درمیان نہیں ہوگا۔ یہ تصادم معاشرتی ہے جو مغرب کے معاشروں میں ہوگا اور مشرق میں بھی۔ پاکستان کے سوشل میڈیا پر، یہ آج کا سب سے زیادہ زیر بحث آنے والا موضوع ہے۔ نامور لوگ اس بحث کا حصہ ہیں، اس لیے میرا خیال ہے کہ اسے محض امریکی سماج کا مسئلہ قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں اس کا سامنا کرنا ہوگا، اس سے پہلے کہ تاریخ کا جبر ہمیں اس پہ مجبور کر دے۔

ہم جنسیت ایک ایسا رویہ ہے، جس سے کوئی سماج کبھی خالی نہیں رہا۔ تاہم یہ فعل چند افراد یا ایک طبقے تک محدود رہا ہے جسے کبھی سماجی قبولیت حاصل نہیں ہو سکی۔ انسانی معاشرے کی اجتماعی بصیرت نے اسے فطرت سے انحراف قرار دیا اور یوں اسے ایک اخلاقی برائی تصور کیا گیا۔ قرآن مجید کی شہادت یہ ہے کہ سیدنا لوطؑ کی مخاطب قوم وہ پہلا 'سماج' ہے جس نے اسے بطور کلچر اختیار کیا۔ سیدنا لوط، سیدنا ابراہیمؑ کے بھتیجے اور ان کے ہم عمر تھے۔ حضرت ابراہیم کے بارے میں مورخین کیا خیال ہے کہ وہ سیدنا مسیحؑ سے دو ہزار سال قبل کے عہد سے تعلق رکھتے تھے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ چار ہزار سال پہلے، اس زمین پر ایک ایسا سماج موجود تھا جہاں اس اخلاقی انحراف کو سماجی قبولیت حاصل ہوئی۔

یہ 'سعادت' پھر اب دورِ جدید کے مقدر میں لکھی گئی کہ ابن آدم کی ایک بڑی تعداد نے ہم جنسیت کو ایک فطری جنسی رویہ قرار دے کر بطور کلچر اسے اختیار کر لیا۔ امریکا میں یہ بحث برسوں سے جاری ہے۔ ۲۰۰۴ء میں پہلی مرتبہ میسوچیسٹس کی ریاست سے اسے قانونی حیثیت دی۔ سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے بعد، اب یہ ریاستیں بھی پابند ہو گئی ہیں کہ مرد

اور مرد کے تعلق کو نکاح قرار دیں اور اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کر لیں۔ اس سے پہلے یورپ کے اٹھارہ ممالک میں ہم جنس پرستوں کو یہ قانونی حق حاصل تھا۔ نیدرلینڈ پہلا ملک ہے جس نے ۲۰۰۱ء میں اس عمل کو قانونی حیثیت دی۔

یہ الہامی روایت اور لبرل ازم کے درمیان جاری کشمکش کا فیصلہ کن موڑ ہے۔ انسان، سماج اور زندگی کے باب میں، جوہری طور پر دو ہی نقطہ ہائے نظر رہے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان خدا کی ایک مخلوق ہے۔ یہ حق خدا کا ہے کہ وہ اس کے مقصد حیات کا تعین کرے اور اس کے ساتھ اس کے لیے آداب زندگی بھی طے کرے۔ یہ خدا ہی ہے جس نے انسان کی فطرت کو تخلیق کیا۔ فطرت میں خیر وشر کا تصور رکھا اور پھر اس فطری تصور کی یاددہانی کے لیے اپنے پیغمبروں کو مبعوث کیا۔ دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ انسان کسی خالق کی مخلوق نہیں۔ زندگی اصلاً ایک ارتقائی عمل ہے۔ اس کا آغاز ایک سیل (cell) کے جاندار سے ہوا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زندگی کی صورت تبدیل ہوتی گئی۔ انسان اس تبدیل شدہ حیات کا ایک ارتقائی مرحلہ ہے۔ اس کی زندگی کا نصب العین کیا ہے، اس نے جینے کے لیے کن آداب کا لحاظ رکھنا ہے، اس کا فیصلہ وہ اپنی عقل سے کرے گا۔ فطرت کسی مستقل ضابطے کی پابند نہیں ہے۔ یہ خارجی عوامل سے متاثر ہوتی ہے اور یوں اس کے مطالبات تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

مغرب میں جن سماجی علوم کو فروغ ملا ہے، وہ اس لبرل روایت کے تحت آگے بڑھے ہیں۔ جدید انتھروپالوجی اور علمِ نفسیات ہم جنسیت کو ایک فطری رویہ قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ انسان پیدائشی طور پر اس رجحان کے ساتھ جنم لیتا ہے۔ جیسے پیدائشی طور پر کوئی صنف مخالف کی کشش محسوس کرتا۔ اسی طرح سماجی عوامل ہیں جو اسے فروغ دیتے ہیں۔ دونوں حوالوں سے اسے ایک فطری رویہ ہی سمجھنا چاہیے۔ علمِ نفسیات پہلے اسے ایک سماجی مرض قرار دیتا تھا۔ آج وہ اسے فطری رویہ کہتا ہے۔ الہامی یا مذہبی روایت میں ہم جنس پرستی کو اخلاقی مسئلہ سمجھا گیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ نہ صرف ابراہیمی بلکہ دوسرے ادیان بھی اسے قبول نہیں کرتے۔ مسیحیت یا یہودیت میں بھی شادی کو مرد وزن ہی کا تعلق کہا گیا ہے۔ اس سے انحراف، مذاہب کے نزدیک اخلاقی جرم ہے۔

امریکی سپریم کورٹ کے اس فیصلے سے خود امریکہ میں جاری اس بحث میں شدت آگئی ہے۔ الہامی روایت پر یقین رکھنے والے اسے ماننے کے لیے تیار نہیں۔ یہ بحث اب یہاں نہیں رکے گی۔ لوگ اب کہنے لگے ہیں کہ شادی کی یہ تعریف یہاں تک کیوں محدود رکھی جائے۔ اس کے بعد تو گروپ سیکس یا تعددِ ازواج کو بھی قانونی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ یہ تہذیبی کشمکش اب آگے بڑھے گی۔ تاہم اس کی فریقین کا تعین ویسے نہیں ہوگا جیسے ہنٹنگٹن نے کیا یا ہمارے ہاں بعض لوگ کرتے ہیں۔

یہ اسلام اور مغرب کے مابین کشمکش نہیں ہے۔ یہ الہامی روایت کو ماننے والوں اور لبرل اقدار کے علم برداروں کے درمیان ہے۔ عالمگیریت کے زیرِ اثر آج ہم ایک ایسے تمدن میں جی رہے ہیں جس کی ایک خصوصیت کثیر المدنیت (pluralism) ہے۔ دونوں روایات کو ماننے والے ہر سماج میں موجود ہیں۔ یوں یہ کشمکش مغرب کے سماج میں ہونی ہے اور مشرق کے معاشروں میں بھی۔ میرے نزدیک اس میں یہودی، مسیحی اور مسلمان ایک طرف کھڑے